اندھیروں میں انہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ بہرے ہیں۔ گونگے ہیں۔ اندھے ہیں۔ یہ اب نہ پلٹیں گے۔ یا پھر ان کی مثال یوں سمجھو کہ آسمان سے زور کی بارش ہو رہی ہے اور اس کے ساتھ اندھیری گھٹا اور کڑک اور چمک بھی ہے۔ بجلی کے کڑاکے سن کر اپنی جانوں کے خوف سے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں اور اللہ ان منکرینِ حق کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ چمک سے ان کی یہ حالت ہو رہی ہے کہ گویا عنقریب بجلی ان کی بصارت اچک لے جائے گی۔ جب ذرا کچھ روشنی انہیں محسوس ہوتی ہے تو اس میں کچھ دور چل لیتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت بالکل ہی سلب کر لیتا۔ یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔" یہ بیان تاریخ کے ہر دور میں ہر طبقے کی گمراہی پر صادق آتا ہے۔

تمام علوم و فنون اور مظاہرِ تہذیب کو باہم متحد رکھنے کے لیے ایک مرکزی نقطہ درکار ہے۔ وہ نقطہ اللہ ہے۔ اس نقطے پر انسانیت کا جمع ہونا حق ہے۔ یہی مرکزی نقطہ آج مغربی اقوام اور ان کی متبع قوموں نے کھو دیا ہے جس کے نتیجے میں وہ گھر، بازار، منڈی غرض ہر جگہ فساد کا شکار ہیں۔ اور انسانی زندگیاں تباہ ہو رہی ہیں۔ اب تو تباہی کا دائرہ بے اندازہ وسعت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ آج ہر دانشور، شاعر اور ادیب کا یہ فرض ہے کہ وہ حالات کی سنگینی کو محسوس کرے اور اعصابی ہیجانات پیدا کرنے والے مادہ پرستی پر مبنی ادب کی تباہ کاری کو بھی محسوس کرے۔ دنیا کی موجودہ حکومتیں بھی اپنے عوام کے حالات بگاڑنے کی ذمہ دار ہیں جنہوں نے عوامی ذرائع ابلاغ کو گھر گھر میں پہنچا دیا ہے تاکہ اس طرح حاکم شخصیتوں کو پرستش کی حد تک پہنچا دیا جائے۔ اور عوام پر ان کی گرفت زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو سکے۔ وہ ایسے ہی علمی، تہذیبی اور تعلیمی پروگرام پیش کرتے ہیں جن سے اُن کے مقاصد حاصل ہو سکیں۔ ایسے دانشور بھی ان کے کاموں میں معاون بنتے ہیں جنھیں آزادیٔ ضمیر و فکر سے زیادہ دنیاوی مفاد عزیز ہوتے ہیں۔

اس نظریہ کو بھی مرکزی نقطہ دینا چاہیے۔ آج کی دنیا میں بغیر ایمان و یقین کے تمام [illegible]
کی تباہی کا یہی سامان بنا ہی ہے۔

مجذوب فرزانگی نطشے نے کہا تھا: "خدا کہاں ہے؟ میں بتاؤں، ہم نے اسے قتل کیا ہے، میں نے اور تم نے۔ ہم سب اس کے قاتل ہیں۔ لیکن ہم نے یہ کام کیا کیسے؟ کیسے ہم سمندر پی گئے؟ کس نے ہمیں اسفنج دیا جس سے ہم نے سارا افق مٹا دیا؟ آخر ہمارا کیا منشا تھا کہ ہم نے زمین کو اس کے سورج کی زنجیر سے علیحدہ کر دیا؟ اب وہ کدھر جا رہی ہے؟ ہم کدھر جا رہے ہیں؟ ہر سورج سے دور؟ کیا ہم مسلسل گرتے نہیں جا رہے ہیں؟ کبھی پیچھے، کبھی آگے، کبھی دائیں، کبھی بائیں، ہر طرف۔ کیا اب بھی ہم عرش و فرش کی بات کر سکتے ہیں؟ کیا اب ہم آوارہ گرد نہیں ہیں؟ راہ گم کردہ۔ ایک عدم کے سمندر میں غرقاب۔ کیا رات نہیں آگئی اور کیا ظلمت ہر آن بڑھتی نہیں جا رہی ہے؟ خدا مر گیا۔ اب وہ زندہ نہیں ہوگا۔ ہم نے اسے مار ڈالا۔ مگر ہمیں کون سی راحت ملی۔ یہ اتنا بڑا کام تھا کہ جس کے بوجھ تلے ہم دب گئے ہیں۔" (Existentialism by Paul Roubiczek, P. 40)

نطشے عیسائیت کی دشمنی میں اس قدر بڑھ گیا کہ اپنے تیز و تند افکار کو اس نے انتہا پسندی کی آخری حد تک پہنچا دیا۔ ورنہ اس کا دل صاف تھا۔ وہ ان اخلاقی اور روحانی قدروں کی تباہی کا ماتم کر رہا تھا جس کو [illegible] والوں نے بے دردی سے پامال کر دیا تھا۔ جب اس نے مندرجہ بالا سطور لکھیں ایک دوسری عالمی جنگ اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ ہو چکی ہے اور اب نیوکلیائی اسلحے اور دیگر لاتعداد تباہ کار ہتھیار نوع انسانی کو کرۂ ارض سے مٹا ڈالنے کی دھمکی دے رہے ہیں۔ چاند پر انسان کے قدم جا چکے ہیں اور شاید اب "ستاروں کی جنگ" دور نہیں۔ آج ہمیشہ سے زیادہ قرآن کا یہ صاف حکم دنیا کو سنانے کی ضرورت ہے اور دانشوروں اور مفکروں کو یہ سنانے کا فرض ادا کرنا ہے۔ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (روم ۳۰) (پس اے نبی اور نبی کے پیرو) یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت جما دو، قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی۔ یہی بالکل راست اور درست دین ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں۔

...مطلقہ

سپریم کورٹ کا فیصلہ اور چند وضاحتیں

(ڈاکٹر) محمد حسن الٰہ آبادی
سکریٹری بھیونڈی مسلم پرسنل لا بورڈ۔ بھیونڈی۔

نفقہ مطلقہ کے سلسلہ میں سپریم کورٹ کے محمد احمد خاں بنام شاہ بانو بیگم (کریمنل اپیل نمبر ۱۰۳/۸۱ جو ۲۳ راپریل ۱۹۸۵ء کو فیصل ہوا ہے اور جو اے۔آئی۔آر سپریم کورٹ ۹۴۵ ...عنوان سے اے۔آئی۔آر جولائی ۱۹۸۵ء کے صفحات ۹۴۵ تا ۹۵۵ پر رپورٹ ہوا ہے) ...فیصلہ کی حمایت میں جو مضامین اب تک اخبارات میں شائع ہوئے ہیں وہ در اصل قلت علم وفکر اور منشائے قرآن سے افسوسناک بیخبری کا شاہکار ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ زیر بحث سے متعلق چند امور کی وضاحت کر دی جائے۔ ساتھ ہی ساتھ مناسب طریقہ سے سپریم کورٹ کے مندرجہ بالا فیصلہ کا بھی جائزہ لے لیا جائے۔

سپریم کورٹ کا فیصلہ سپریم کا یہ فیصلہ جو سابق چیف جسٹس آف انڈیا مسٹر وائی۔ وی چندر چوڑ کی سربراہی میں چار ججوں کے مشترک فیصلہ کی صورت میں صادر ہوا ہے کسی نص قرآنی کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ اس خواہش کی بناء پر ہے کہ ہندوستان میں بتدریج یکساں سول کوڈ نافذ کیا جائے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ سپریم کورٹ نے

(۱) مسلم پرسنل لا بورڈ کی مداخلت intervention پر اظہار ناپسندیگی کیا ہے۔ (پیراگراف ۳۱)

(۲) دانیال لطیفی جیسے مشہور مبلغ نے تبدیلی پرسنل لا کی تحسین کی ہے (پیراگراف ۳۱)

(۳) ڈاکٹر طاہر محمود جو ادارہ ہمدرد کے انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز اینڈ اسلامک لاء ریسرچ کے سربراہ کی حیثیت سے عرصہ سے مسلم پرسنل لا کی مذمت

زمار ہے ہیں کی تقریروں اور تحریروں کے حوالے سے "اسلامی اتحاد نئی [illegible]" ہے (پیراگراف ۳۳)

(۴) اس بات پر اظہار افسوس کیا ہے کہ حکومت دستور کے آرٹیکل ۴۴ کے نفاذ میں مسلمانوں کے چشم و ابرو کی طرف ملتفت کیوں ہے؟ اور زور دیا ہے کہ حکومت فوراً اس سلسلہ میں مثبت اقدام کرے (پیراگراف ۳۲ نیز پیراگراف ۲۸)

(۵) عدالتیں سماجی مصلح کا کردار ادا کرنے پر مجبور ہیں۔ اگرچہ یہ منشتر کرسول کوڈ کا بدل نہیں ہے۔ (پیراگراف ۳۲)

(۶) عدالت نے یہ فیصلہ اس امر کے باوجود دیا ہے کہ شاہ بانو (۷۵ سال) کا ایک جوان برسرکار بیٹا بھی موجود ہے جو فی الوقت اس کی کفالت کر رہا ہے اور اقتضاء ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۲۵ (۱) ا کے تحت نہیں آتی جس میں یہ کہا گیا ہے کہ "اگر بیوی اپنی کفالت نہ کر سکے ——————"

(ب) ایک اور فیصلہ (اسپشل لیو پٹیشن نمبر ۲۱۴۷/۸۵ ج ۱۰ ارسی ۱۹۸۵ء کو فیصل ہوا ہے اور جو سپریم کورٹ ۹۳۵۔ دہلی کے تحت اے۔ آئی۔ آر جلالی [illegible] کے صفحات ۹۳۵ تا ۹۴۱ پر رپورٹ ہوا ہے) میں مسٹر جسٹس چنتا ریڈی کا اور مسٹر جسٹس آر۔ بی مصرا (یہ دونوں جج صاحبان شاہ بانو کیس کی بنچ میں شامل تھے) شاہ بانو کیس پر ملک کے مسلمانوں کے ردِ عمل کا ذکر کرتے ہوئے پیراگراف ۷ میں یکساں شہری قانون بنانے کے لیے حکومت پر زور دیا ہے۔

(ج) سابق چیف جسٹس آف انڈیا مسٹر وائی۔ وی۔ چندر چوڑ نے بھی ایک سوال کے جواب میں واضح طور سے ارشاد فرمایا ہے کہ انھیں [illegible] حق حاصل ہے۔ یہاں تک کہ انھیں تعبیر قرآن کا بھی حق حاصل ہے [illegible] اس قسم کے حق کا مصرف کے شاہ بانو کیس میں کس طرح استعمال [illegible]

آگے آ رہا ہے۔

پس جو لوگ نیک نیتی کے ساتھ اس فیصلہ کو مسلم پرسنل لاء میں مداخلت نہیں سمجھتے انھیں ذرا ہوش کے ناخن لینا چاہیے۔ اور اگر انھیں ہندوستان میں اپنا تشخص (Identity) عزیز ہے تو اس قسم کے فیصلوں پر تالیاں بجانے سے احتراز کرنا چاہیے۔

۲۔ <u>مسلم پرسنل لاء بورڈ</u> | مسلم پرسنل لاء بورڈ پر یہ اعتراض کرنا کہ ۱۹۷۳ء میں جس ترمیم شدہ ضابطہ فوجداری کا نفاذ ہوا ہے وہ ان کا کیا کرایا تھا در اصل لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ انھیں ابتدا ہی سے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۲۵ میں "بیوی" کی تعریف میں "مطلقہ" کو شامل کرنے پر اعتراض تھا اور دفعہ ۱۲۷ کی ذیلی دفعہ (۳) ب کی شمولیت در اصل انھیں کوششوں کا نتیجہ تھی۔ اگرچہ ضابطہ فوجداری اپنی موجودہ شکل میں یعنی دفعہ ۱۲۵ اور دفعہ ۱۲۷ (۳) ب کی موجودگی کے باوجود عدالتوں کے چکر سے لوگوں کو محفوظ نہیں رکھ سکتا تھا پھر بھی اگر شوہر نے مطلقہ کے تمام واجبات ادا کر دیے ہوں تو بالآخر اس کی گلو خلاصی ممکن تھی۔ لیکن سنہ ۱۹۸۰ء میں مسٹر جسٹس کرشنا آئر کے ایک فیصلے نے (اے۔ آئی۔ آر۔ سپریم کورٹ ۳۶۲۔ کریمنل لاء جرنل ۱۵۱/ ۱۹۸۰ء، صفحات ۳۶۲ تا ۳۶۶) ایک "نکتہ" پیدا کر کے دفعہ ۱۲۷ (۳) ب کے نفاذ کو عملاً روک دیا تھا۔ تاآنکہ <u>حالیہ فیصلے نے وہ تقاضہ ہی بالکل ختم کر کے رکھ دیا جو چودہ سو سالوں سے مسلمانوں میں متفق علیہ چلا آ رہا ہے</u>۔ یہی سبب ہے کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کو عوامی تحریک چلانے کی ضرورت اب پیش آئی ہے۔

۳۔ <u>معکوس استدلال</u> | یہ بات کہ جب اسلام کا تعزیراتی قانون (Penal law) ہندوستان میں نافذ نہیں ہے تو پرسنل لاء ہی پر اصرار کیوں ہے در اصل معکوس منطق کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا جواب مشرقیات کے ماہرین کی زبان میں یہ ہے کہ "اگر کسی کل کا کوئی جزو فراہم نہ کیا جا سکے تو اس کا مطلب یہ کب ہے کہ اس کا موجود جزو بھی ساقط کر دیا جائے۔"

[illegible]

... that the other should be Surrendered

(لوک سبھا میں آرٹیکل ۴۴ کو ختم کرنے کے بل پر وزیر قانون مسٹر اشوک سین کی تقریر کا ہے۔
مسلم انڈیا انگریزی بابتہ مئی ۱۹۸۵ء۔ صفحہ ۲۱۹)

۴۔ <u>اسلامی ممالک کی مثال</u> | پاکستان میں حال ہی میں جو عائلی قوانین نافذ ہوئے اور جس کا حوالہ سپریم کورٹ نے بھی اپنے پیراگراف نمبر ۳۳ میں دیا ہے ان کے بارے میں عوام کو یہ بات معلوم رہنی چاہیے کہ یہ ایک آرڈیننس تھا جسے ملک کے ایک صدر اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے ملک پر "بجبر" نافذ کیا تھا۔ اس کے باوجود اسے علماء اور عوام نے قبول نہیں کیا۔ پاکستان ہو یا کوئی دوسرا مسلم ملک۔ نہ وہاں اسلامی حکومت ہے نہ جمہوریت، اس قسم کی "اصلاحات" خواہ پاکستان میں ہوں یا تیونس میں۔ شام میں یا لیبیا میں۔ سب جبراً نافذ کی جاتی ہیں جو کسی بھی وقت نمائندہ یا عوامی جمہوری حکومت قائم ہوتے ہی کالعدم ہو سکتی ہیں۔ اس کے باوجود اکثر ان اصلاحات میں مسلمانوں کے کسی نہ کسی فقہی مذہب کے تفرد یا خصوص کی پیروی کی جاتی ہے مزید برآں وہاں کا کوئی غلط اقدام ہمارے لیے اس لیے بھی دلیل اور حجت نہیں بن سکتا کہ <u>ان ممالک میں اکثریت کے ووٹوں کی قوت پر اقلیتوں پر بجبر کوئی قانون نافذ نہیں کیا جاتا جبکہ ہمارے یہاں ہندو اکثریت کی مرضی اور خواہش کو مسلم اقلیت پر مسلط کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔</u>

۵۔ <u>اجتہاد کہاں؟</u> | جہاں قرآن و سنت کے واضح احکام موجود ہوں وہاں اجتہاد نہیں ہوا کرتا۔ حکم ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۔ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (النساء)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی

طرف پھیر دو۔ اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

(ب) قرآن کے بعد سنت رسول کا درجہ ہے۔ اس کا واضح حکم آیت مولہ بالا میں موجود ہے۔ یعنی رسول کے حکم (یا عمل) کی موجودگی میں بھی اجتہاد نہیں ہو سکتا۔ نفقۂ مطلقہ تا عدت کا حکم قرآن اور سنت دونوں سے ثابت ہے۔

(ج) جس طرح دستورِ ہند کی آرٹیکل ۱۳۱ (و) ۱۴۳ (ا) اور ۱۴۷ نے صرف سپریم کورٹ کو قوانین کے جواز اور قوانین و دستور کی تعبیر کا حق دیا ہے۔ قرآن نے بھی فہم قرآن اور اجتہاد کے لیے صرف "اہل الذکر" کو اہل قرار دیا ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۔ (النحل۔ ۴۳) اے نبی ہم نے تم سے پہلے بھی جب کبھی رسول بھیجے ہیں آدمی ہی بھیجے ہیں جن کی طرف ہم اپنے پیغامات وحی کیا کرتے تھے اہلِ ذکر سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے"۔

سپریم کورٹ کے ججوں کو یہ منصب اس لیے سونپا گیا ہے کہ ملک کی سب سے بڑی عدالت کے منصف ہونے کی بناء پر ان سے بجا طور سے توقع کی جاتی ہے کہ رائج الوقت قوانین پر ان کی حیثیت "ماہرانہ" ہوگی۔ اسلامی قانون کی تعبیر بھی ایسے اشخاص کے سپرد کی جا سکتی جو قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی چودہ سو سالہ تاریخ کا "ماہرانہ" علم نہ رکھتے ہوں۔ پھر دستور کی آرٹکل نمبر ۱۴۳ (ا) کے تحت جو دستوری بنچ تشکیل دی جاتی ہے اس کی حیثیت قانونِ ملکی کی تعبیر میں "اجماع" کے علاوہ اور کیا ہے؟ اور "اجماع" کا اسلامی ماخذ قانون میں قرآن اور سنت کے بعد تیسرا درجہ ہے۔ لیکن واضح رہے کہ اسلامی قانون کے "اجماع" کی حیثیت سپریم کورٹ کے دستوری بنچ (بتحت آرٹکل ۱۴۳ (ا)) سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

(د) اسلامی قانون کے چوتھے ماخذ "قیاس" کے لیے "اجتہاد" شرط ہے لیکن

مجتہد کے لیے قرآن وسنت اور اجماع کا کلی علم ہونا ضروری ہے جیسا کہ حضرت
معاذ بن جبل والی "حدیثِ اجتہاد" سے ثابت ہوتا ہے۔

سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کی تائید میں جو حضرات سامنے آئے ہیں انھیں دیکھ کر سخت حیران ہے کہ کیا واقعی یہ مسئلہ اجتہادی تھا۔ اور بالفرض اگر اجتہادی تھا تو کیا سپریم کورٹ کے جج صاحبان جنھیں قرآن وسنت کی ہوا تک نہیں لگی ہے اس کے اہل ہوگئے ہیں کہ ایک یا چند آیات کا انگریزی ترجمہ دیکھ کر "اجتہاد" کرنے بیٹھ جائیں۔

۶۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴۱ کا مطلب (۱) اگرچہ شریعت کسی شخص کو اپنی مطلقہ کو یکمشت کوئی بھی رقم (خواہ وہ عورت کے خرچ سے زیادہ ہو) کسی دوسرے کی حق تلفی کیے بغیر دینے سے نہیں روکتی لیکن اس بارے میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴۱: وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ (اسی طرح جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہے۔ انھیں بھی مناسب طور پر کچھ دے دلا کر رخصت کیا جائے۔ یہ حق ہے متقی لوگوں پر) سے استدلال کرنا بالکل غلط ہے، کیونکہ متاع کے معنیٰ کسی طور پر بھی اس رقم کے نہیں ہو سکتے جسے ماہ بماہ (یعنی استمراری طور سے Continuous) دینے کا حکم دیا گیا ہو (جیسا کہ سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ میں اور اس سے پیشتر بھی اور فیصلوں میں کیا گیا ہے) اس سے یکمشت اتنی بڑی رقم کا دینا بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا جو کسی مطلقہ کی پوری زندگی کی کفالت کی ضامن ہو۔ (جیسا کہ جسٹس کرشنا آئر نے اپنے فیصلہ میں استدلال کے طور پر کیا ہے (ملاحظہ ہو اے۔ آئی۔ آر سپریم کورٹ ۳۶۲/۱۹۷۹ - سی - ایل - جے ۱۵۱ صفحات ۳۶۲ تا ۳۶۶) کیونکہ متاع کے مفہوم میں استمرار (Continuation) ہے ہی نہیں۔ دراصل آیت کا صحیح مفہوم متعین ہوتا ہے۔ سورہ طلاق کی آیت نمبر ۶ سے ملاحظہ ہو: اَسْکِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ ۔ وَاِنْ کُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۔ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَکُمْ فَاٰتُوْهُنَّ

[illegible] تسلیم [illegible]
[illegible] جہاں تم رہتے ہو [illegible] اور انہیں تنگ
کرنے کے لیے ان کو دکھ نہ دو۔ اور اگر حاملہ ہوں تو ان پر اس وقت تک خرچ کرتے رہو
جب تک وضع حمل نہ ہو جائے پھر اگر وہ تمہارے لیے بچے کو دودھ پلائیں تو ان کی
اجرت انہیں دو۔ اس کے علاوہ (اجرت کا معاملہ) باہمی مشورے سے کر لو لیکن
اگر تم (اجرت طے کرنے میں) ایک دوسرے کو تنگ کرو تو بچے کو کوئی اور عورت دودھ پلائے
(۶۵:۶) اس آیت میں لفظ "متاع" بھی نہیں ہے بلکہ صاف "نفقہ" ہے۔ اب "قرآن فہمی" کا دعویٰ
رکھنے والے حضرات (اور محترم [illegible] صاحبان بھی) یہ بتلائیں کہ جب مطلقہ حاملہ کا نفقہ صرف
وضع حمل تک ہے (جو کہ اس کی اصل عدت ہے) تو کس قانون عرف یا عقل کی رو سے
غیر حاملہ مطلقہ کا نفقہ تا نکاح ثانی یا عمر بھر ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ سے اس قدر خلاف عقل
قانون کی کون امید کر سکتا ہے؟

پھر قرآن کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ بات مخفی نہ رہنی چاہیے کہ قرآن نہ تو کسی پہاڑ
پر نازل ہوا نہ ہی چودہ سو سالوں تک خلا میں معلق رہا۔ اس طرح جب ہم حضور (ﷺ) کی
صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی اور امت کے تعامل پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا
ہے کہ در اصل آیت ۲: ۲۴۱، اُن مطلقہ عورتوں کے لیے ہے جن سے خلوت نہ ہوئی ہو۔ اس
اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ اس بے زبان عورت کو کم از کم کپڑوں کا ایک آدھ جوڑا (از نصف
مہر کے علاوہ) ضرور دے دیا جائے۔ ترتیب کلام ملاحظہ ہو آیات ۲۳۴، ۲۳۵ ان لوگوں
کے بارے میں ہے جو فوت ہو گئے ہوں، اور آیات ۲۳۶، ۲۳۷، اُن لوگوں کے بارے
میں ہے جنہوں نے ہاتھ لگانے سے قبل منکوحہ کو طلاق دے دی ہو۔ اسی ترتیب سے
آیت ۲۴۰ میں مذکورہ بیوہ کے لیے وصیت کی تلقین ہے۔ (یہ حکم وراثت کی آیات
نازل ہونے کے بعد منسوخ ہو گیا) اور آیت ۲۴۱ میں ان مطلقات کے لیے تلقین ہے

...ن دہلی

...کے ساتھ خلوت نہ ہوئی ہو۔

لیکن آیت کو اطلاقی معنوں میں مراد لینے کی صورت میں اس کا حصر ازروئے آیت
اطلاق۔ ۲ سے ہوگا۔ ورنہ قرآن میں (نعوذ باللہ) تعارض لازم آئے گا۔

(ب) یہ آیت آیتِ وصیت ۲: ۲۴۰ کے فوراً بعد آئی ہے اور محترم جج صاحبان
نے پیراگراف ۱۷ میں دونوں آیتوں کا ترجمہ نقل کیا ہے۔ کسی قانون داں ذہن سے بجا
طور سے توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ آیت ۲: ۲۴۱ کو بھی وصیت ہی کے معنوں میں لے لیتا
کیونکہ ایسا کرنا زیادہ آسان تھا۔ لیکن محترم جج صاحبان نے یہ قابلِ قدر نکتہ اس لیے
اختیار نہیں فرمایا کہ اس سے ان کا مقصد فوت ہو جاتا تھا۔

(ج) "متاع" کے لفظ سے یہ غلط فہمی دراصل عبداللہ یوسف علی کے ترجمہ قرآن
سے پیدا ہوئی ہے۔ جنھوں نے "متاع" کا ترجمہ "maintenance" (گذارہ
یا نفقہ) کیا ہے۔ لیکن ہم حیران ہیں کہ محمد ظفر اللہ خاں، علامہ خادم رحمانی نوری، مار
ماڈیوک پکتھال اور آربری کے ترجموں، نیز بورڈ آف اسلامک پبلیکیشنز کے ترجمہ میں "نفقہ"
کا لفظ مطلق نہیں استعمال کیا گیا۔ (دیکھیے پیراگراف ۱۵ - ۲۷ - ۱۸ - ۱۹ - ۲۰ - اور ۱۷) سید
امین الحسن رضوی صاحب (intervener) کی تحریری بحث میں اسی نکتہ پر سب سے
زیادہ زور دیا گیا تھا۔ (ہفت روزہ دعوت کا مسلم پرسنل لا نمبر) ان تمام ترجموں سے صرفِ
نظر کرتے ہوئے (اور خاص طور سے آربری کے ترجمہ کو) صرف عبداللہ یوسف علی کے ترجمہ کو
اختیار کرنا خود اس بات کا ثبوت ہے کہ یہی ایک ترجمہ محترم عدالت کے مفید مقصد تھا۔

۷۔ مطلقہ کو صرف تا عدت نفقہ دینے کی علت اور مصلحتیں | (۱) اسلام میں تین قسم کے رشتوں
کو تسلیم کیا گیا ہے۔ (۱) نسب - (۲) رضاعت - (۳) مصاہرت (ملاحظہ ہو النساء ۲۳)
لیکن ان میں سے صرف دو ہی انسانی خاندان کی بنیاد ہیں۔ نسب اور مصاہرت جیسا کہ سورہ
فرقان کی آیت نمبر ۵۴ میں کہا گیا ہے۔ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ

نسبًا و صہرًا (اور وہی ہے جس نے پانی سے ایک بشر پیدا کیا پھر اس سے نسب اور سسرال کے دو الگ الگ سلسلے چلائے)۔ لیکن رشتہ زوجین کے درمیان اسی وقت تک باقی رہتا ہے جب تک نکاح کا تعلق باقی رہتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ کسی عورت کو طلاق دینے کے بعد اس کی حقیقی بہن، خالہ یا پھوپھی یا بھتیجی یا بھانجی سے نکاح کیا جا سکتا ہے (صرف اس کی ماں مستثنیٰ ہے کیونکہ عورت کے مدخولہ ہوتے ہی وہ ماں کے درجہ میں آ جاتی ہے) پھر کیا ہمارے معدودے مصلحین اور واضعین قانون) چاہتے ہیں کہ اگر ایک بہن کو طلاق دینے کے بعد کوئی شخص دوسری بہن سے نکاح کرے تو اس شخص کی کل آمدنی ایک ہی خاندان کی کفالت کی ذمہ دار ہو کر رہ جائے۔

(ب) دوسرا سبب مطلقہ کو صرف عدت کے زمانہ تک نفقہ دینے میں یہ ہے کہ اسلام ہر شخص کو عزتِ نفس کی تلقین کرتا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلٰی (صحیحین، ترمذی، نسائی) یعنی اوپر کا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے" اس طرح آپ نے دستِ سوال دراز کرنے کی ہمت شکنی فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (المنافقون - ۸) "عزت تو اللہ کے لیے اس کے رسول کے لیے اور مومنین کے لیے ہے" جب کسی عورت کا اس کے شوہر سے رشتہ منقطع ہو گیا ہو تو آکاس بیل کی طرح اس کے ٹکڑوں پر پلنا عورت کی عزتِ نفس کے خلاف ہے۔ عدت کا زمانہ اس لیے مستثنیٰ ہے کہ اس عرصہ میں استبراءِ رحم کی خاطر اپنے سابقہ شوہر کے لیے عورت رکی رہتی ہے، اور دوسرا نکاح نہیں کر سکتی تاکہ اگر اسے حمل ہو تو اس کا نسب خلط ملط نہ ہونے پائے۔ اسی وجہ سے زمانۂ عدت میں واضح الفاظ میں نکاح کا پیغام دینا بھی ممنوع ہے۔

(ج) اللہ تبارک و تعالیٰ کسی بھی مرد یا عورت کا غیر شادی شدہ رہنا پسند نہیں کرتا چنانچہ ارشاد ہے: وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (النور - ۳۲)

ستم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں ان کے نکاح کر دو۔ اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا اللہ بڑی وسعت والا اور علیم ہے۔ اسی وجہ سے بیواؤں کے نکاح کی تلقین کی گئی ہے اور چار تک شادیوں کی اجازت دی گئی ہے: وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ (النساء ۳) اور اگر تم یتیموں کے ساتھ بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو تین تین اور چار چار سے نکاح کر لو۔ شادی کرنے کی غرض وغایت یہ ہے کہ معاشرہ پاک وصاف رہے۔ کیونکہ زنا اسلام میں قابلِ تعزیر جرم (Penal offence) ہے جس کی سزا غیر شادی شدہ کے لیے سو کوڑے (النور۔ ۲) اور شادی شدہ کے لیے رجم (مسلم، ابو داؤد، نسائی) ہے (اس لیے یہ اسلامی مزاج کے خلاف بات ہوتی اگر کسی مطلقہ کے لیے تا نکاحِ ثانی یا تا عمر نفقہ کا سابق شوہر کی طرف سے انتظام کر کے اسے بے فکر کر دیا جاتا)

(د) جب ہر مرد اور عورت کے لیے شادی کرنا ضروری ہوا تو مرد کے ساتھ یہ بھی ناانصافی ہوگی اگر اسے نکاحِ ثانی کے بعد اپنی منکوحہ اور مطلقہ دونوں کا خرچ برداشت کرنا پڑے۔ اگر وہ دہرا خرچ نہ برداشت کر سکے تو بجائے نکاحِ ثانی کے کسی عورت سے ناجائز تعلق پیدا کر کے رجم کا سزاوار ہو جائے۔

(ہ) مذکورہ صورت میں اس مرد کی دوسری بیوی یعنی موجودہ منکوحہ کے حقوق بالراست متاثر ہوتے ہیں۔ کیا یہ دوسری عورت کے ساتھ ناانصافی نہیں۔ واضح رہے کہ طلاق کے اسباب کی اگر چھان بین کی جائے تو مرد ہی ہمیشہ لازماً قصوروار نہیں ٹھہرے گا۔ پھر آخر اسے اور اس کی دوسری بیوی کو کس جرم کی سزا دی جائے گی۔

(و) اگر مطلقہ کو قانوناً بعد عدت نفقہ دلایا جائے تو اس سے ان تمام لوگوں کے حقوق

مجروح ہوں گے جن کی کفالت ازروئے شرع مرد کے اوپر واجب ہے۔ جس میں زوجین کی مشترک اولاد کے علاوہ اس مرد کی کوئی عزیزہ مطلقہ بھی ہو سکتی ہے۔ جسے اپنے سابق شوہر سے اس لیے نفقہ نہیں مل رہا ہے کہ وہ سپریم کورٹ تک جانے کی حیثیت نہیں رکھتی ——————

اور اگر مطلقہ کو ترکہ میں سے حصہ دلایا گیا تو اس سے وراثت کے تمام احکام مجروح و متاثر ہوں گے۔

(ز) ایسی مثالوں کی کمی نہیں ہے کہ مزاجی ناموافقت۔ بیوی کی زبان درازی یا کوئی اخلاقی عیب مثلاً نظر بازی وغیرہ کی وجہ سے شادی کے فوراً بعد یا سال دو سال کے بعد اسے طلاق ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں یہ نفقہ مطلقہ "تعزیر طلاق" کے بجائے "تعزیر نکاح" نہیں شمار ہوگی۔ ۹ واضح رہے کہ حرامکاری وہ عیب ہے جس کے سبب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی علیحدگی کی اجازت دی ہے۔

(ح) اللہ تعالیٰ انسانی مزاج کی کمزوریوں سے واقف ہے جس طرح جہیز کی لالچ میں ہندوستان میں معصوم نوشادی شدہ عورتوں کا قتل عام ہو رہا ہے۔ اسی طرح مغربی سوسائٹی میں ان کے بار سے سبکدوش ہونے کے لیے عورتوں کا قتل ایک معمول بن چکا ہے۔ اللہ کا کتنا بڑا فضل ہے کہ اسلامی معاشرہ اس لعنت قتل سے دونوں تعلقات سے پاک ہے کیا ہمارے "مصلحین" چاہتے ہیں کہ اب بجائے طلاق دینے کے ان میں قتل کرنے کی وبا پھیل جائے۔

یا طلاق یا ختم ہونے کے بعد بھی اسے نفقہ دینے کی وجہ سے جن افراد کا مالی نقصان ہو رہا ہے وہ اسے قتل کرنے کے درپے ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ابغض المباحات قرار دینے کے باوجود طلاق کی اجازت جو عطا فرمائی ہے تو اس میں بھی یہی مصلحت کار فرما ہے۔

(ط) قانون کی کتابوں میں مسلمانوں کی شادی کو عمرانی معاہدہ (Social contract) کہا گیا ہے (طیب جی مسلم لا صفحہ ۴۸ و ۵۰:۔ طاہر محمود مسلم لا ان انڈیا۔ صفحہ ۴۳ ملا۔ محمڈن لا ۔ ازایم ہدایت اللہ و ارشد ہدایت اللہ صفحہ ۸۲) جو کچھ شرائط کے ساتھ تکمیل پاتا ہے۔ اور طرفین کو اس معاہدہ کو فسخ کرنے کا طلاق یا خلع کی صورت

میں اختیار ہوتا ہے (؟) میں قانون معاہدت (Law of Contract) فریق ثانی کے کسی دوسرے اور معاہدہ کی تکمیل تک فریق اول کے اوپر "تاوان" عائد کیا گیا ہو، اگر کوئی قانون داں ([illegible]) ہمیں اس سے مطلع فرمائیں تو عنایت ہوگی۔

(ی) قانون اور اخلاق کے دائرے ہمیشہ الگ الگ ہوا کرتے ہیں۔ ہمیں بہت سے معاملات میں بعض گروہوں کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے لیکن عدالتیں ان کے حق میں فیصلے اس لیے نہیں دیا کرتیں کہ قانون اس کی تائید و حمایت نہیں کرتا کسی اخلاقی فضیلت کو قانون کے ذریعہ موکد نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام میں یتیموں کے حقوق کے بارے میں سخت تاکید ہے (النساء ۳۰) لیکن ان کے ساتھ سلوک کو موکد کرنے کے لیے یتیم لڑکیوں (یا ان کی ماؤں کے ساتھ) نکاح کی ترغیب دی گئی ہے جہاں تک کہ اسی سلسلہ میں چار تک شادیاں کرنے کی اجازت دی گئی ہے پڑوسیوں کا اسلام نے اتنا حق رکھا ہے کہ رسول اللہ کو گمان ہوا کہ انھیں ورثہ میں شریک کر دیا جائے گا۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور مسند احمد بن حنبل) لیکن قانوناً ایسا نہیں کیا گیا۔ یتیم پوتے کے لیے وصیت کی شکل میں گنجائش موجود ہے لیکن یتیمی، قرابت اور صلہ رحمی کی سہ گونہ اخلاقی قیود کے باوجود ان کے لیے کوئی قانون نہیں بنایا گیا۔ کیونکہ قانوناً وراثت اولاد کو منتقل ہوتی ہے۔ اگر اس کا دائرہ پوتوں تک وسیع کر دیا جائے تو اس سے بڑی قانونی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔

کیا کوئی قانون داں رائج الوقت قوانین میں کسی ایسی دفعہ کی نشاندہی کر سکتا ہے جو اخلاقی فضیلت کی بنیاد پر وضع کیا گیا ہو۔ جب ایسا نہیں ہے اور ہرگز ایسا نہیں ہے تو صرف مطلقہ ہی کے بارے میں اس کے سابق شوہر کو کیوں پابند کیا جائے؟

واقعہ یہ ہے کہ مسلم پرسنل لا، یا اپنی شریعت کے ساتھ قلبی لگاؤ میں جب جذباتیت

کا غیر مسلم عوام کو دیا جا رہا ہے۔ ان سے زیادہ جذباتیت کا دخل اس غیر معقول استدلال اور قانون سازی میں ہے جو نفقۂ مطلقہ کے نام سے بالجبر مسلم عوام پر مسلط کیا جا رہا ہے۔

ان تمام معلوم اسباب (اور ان نامعلوم اسباب جن تک ہمارے ذہن و فکر کی رسائی نہیں ہو سکی ہے) کے ہوتے ہوئے اور اسلامی معاشرہ کے مزاج کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص (خیر خواہی کی نیت ہی سے سہی) اسلامی قانون کو تبدیل کرنے کی بات کہتا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ اسے اسلام کا نظام شریعت ہی ناپسند ہے تو اگر وہ مسلمان ہے تو اسے اپنے اسلام پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ کیونکہ اسلام کا مطالبہ ہے۔ اُدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً۔ (البقرہ - ۲۰۸) یعنی پورے پورے مسلمان بنو یہ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ۔ (البقرہ - ۸۵) کہ کتاب الٰہی کے کچھ حصوں پر ایمان لایا جائے اور کچھ سے انکار کیا جائے "یہودیوں کی خصلت" ہے۔

۸۔ الٹی منطق | (ا) ماہرین قانون کی خدمت میں عرض ہے کہ کسی اسلامی مسئلہ میں رائے دینے سے قبل اسلامی قانون کا مزاج سمجھ لیا کریں۔ اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک پورا نظام قانون ان کی نظر میں نہ ہو۔ اس سلسلہ میں ارتقاء قانون اسلامی کی چودہ سو سالہ تاریخ کو نظر انداز کرنا سب سے بڑی جہالت ہے

(ب) غیر مسلم مصلحین سے درخواست ہے کہ قاضی جی پہلے اپنے گھر کو دیکھ لیں شہر کے اندیشے میں دبلا ہونے کی انھیں فرصت کبھی نہ ملے گی۔ مسلم معاشرہ باوجود اپنی تمام تر ابتریوں کے الحمد للہ ابھی تک ان بہت سی خرابیوں سے محفوظ ہے جن میں ان کا معاشرہ گلے گلے ڈوبا ہوا ہے۔ یہ جہیز کی اموات، دیو داسیاں، ستی، انسانی قربانی، تانترک رسمیں اور "معاشقہ" کو پروان چڑھانے کے لیے (کثرت ازدواج کی ممانعت اور طلاق کی مشکل کے سبب سے) بیویوں کا قتل ایسے "حقائق" ہیں جنھیں چھوڑ کر اسلامی معاشرہ کے "سراب"

کے پیچھے دو رشتہ ان کی سب سے بڑی حماقت اور جہالت ہے ۔ دوسروں کی آنکھ کا تنکا دیکھنے سے قبل کم از کم اپنی آنکھ کا شہتیر تو نکال لینا چاہیے۔

(ج) ہم حیران ہیں کہ معدودے چند مطلقہ مسلم عورتوں پر "مبینہ مظالم" کے متعلق ارباب دانش، ارباب قلم اور صحافی ایک "رزمگاہ" سجائے ہوئے ہیں۔ لیکن ان ہزاروں بیواؤں اور اُن کے یتیم بچوں کا کوئی درد اُن کے دل میں آج تک کیوں نہیں پیدا ہوا جو فرقہ وارانہ فسادات میں اکثریت کے ہاتھوں اور پولیس کی گولیوں کی وجہ سے اس حالتِ زار کو پہنچے ہیں۔ اگر اُن کے دل میں واقعتاً انسانیت کا کچھ احترام ہوتا اور مظلوموں کی دادرسی کی انھیں کوئی فکر ہوتی تو سب سے پہلے اُن یتیموں اور بیواؤں کی خبر لینی چاہیے تھی۔ اور حکومت کو مجبور کرنا چاہیے تھا کہ بیواؤں کے لیے تاحینِ حیات یا نکاحِ ثانی معقول وظیفہ اور یتیم بچوں کی کفالت اور شادی اور یتیم لڑکوں کی کفالت اور روزگار کا انتظام کرے۔ احمد آباد گجرات اور پورے ہندوستان کو جانے دیجیے۔ شہر بھیونڈی کے صرف انصاری باغ کی جس قدر بیوائیں اور یتیم بچے ہیں ان کی تعداد پورے ہندوستان کی ان نام نہاد "مبینہ اسلامی قانون" کی ستائی ہوئی عورتوں سے کہیں زیادہ ہے۔ آخر ان کے لیے اُن حضرات نے کیا کیا ہے؟ ان کی فکر معکوس کا تو یہ حال ہے کہ جہاں انسانیت چیختی ہے وہاں یہ راگ الاپتے ہیں کہ سب کچھ بہتر ہے۔

(د) یک زوجگی (monogamy) کی وکالت کرنے والے اور اسلامی قانون کی کثرت ازدواج (Polygamy) پر داویلا کرنے والے ذرا اپنے معاشرے میں تکثیرِ اناث (Surplus women) کا بھی جائزہ لیں۔ اور اس سیلِ رواں کے آگے ابھی سے بند باندھنا شروع کردیں۔ عائلی زندگی میں قوانین کی سختی کی وجہ سے وہ جن امراض میں گرفتار ہوگئے ہیں ان کی بھی تشخیص فرمالیں۔ ان سب کا علاج انھیں اسلامی طریقِ ازدواج میں مل جائے گا۔ انشاء اللہ۔

مغربی معاشرہ بنام اسلامی معاشرہ (۱) دراصل مغربی معاشرہ میں جس کی صد فی صد نقالی کی کوششیں ہندوستان میں ہو رہی ہیں۔ اور اسلامی معاشرہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے جس کی وجہ سے اسلامی نظامِ معاشرت کو نہ سمجھنے والے اس پر اعتراض کیا کرتے ہیں۔ مغرب میں جائداد اور خطابات وغیرہ صرف بڑی اولاد نرینہ کا حق ہیں۔ باقی تمام اولاد اور لڑکیاں کسب کے قابل ہوتے ہی معاشی استقلال کے چکر میں گرفتار ہو جاتی ہیں۔ شادی میں وہاں والدین کی مرضی کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اسی لیے وہاں ترکہ کا جامع تصور ہونے کے بجائے وصیت (will) ضروری ہوا کرتی ہے۔ وصیت کی غیر موجودگی ہی میں وہاں عدالتیں الاقرب فالاقرب کی بناء پر فیصلے کیا کرتی ہیں۔ جب کہ اسلام میں بچوں کی پرورش اور ان کی شادی کا پورا بار والدین یا ولی (قریبی رشتہ داروں) پر ہوا کرتا ہے۔

(ب) مسیحی قانون (Christian Ecclesiastical law) میں سوائے زنا کے علیحدگی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ (متی۔ باب ۵-۳۱-۳۲۔ باب ۱۹-۳ تا ۹ مرقس باب ۱۰ ۲ تا ۱۲۔ لوقا باب ۱۶-۱۸) (اور کیتھولک چرچ اس پر عامل بھی ہے) یہودیوں کے یہاں اگرچہ کتاب استثنا باب ۲۴ ۱ تا ۴ میں طلاق کی اجازت دی گئی ہے لیکن جیساکہ H.S.Q. Henriques نے اپنے monograph میں تصریح کی ہے کہ یہودیوں نے بہت سے معاملات میں ملکی قانون سے ہم آہنگ ہونے کے لیے اپنے بہت سے مذہبی قوانین پر عمل ترک کر دیا تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس۔ جلد ۸ صفحہ ۳۶۱ مطبوعہ نیویارک ۱۹۶۷ء) یہ اپنے تمام معاملاتِ زندگی میں (باستثنار چند) ملکی قوانین کی پیروی کرنے لگے تھے۔

اس لیے ذہنی پس منظر میں جب عائلی ضروریات کے تحت انتہائی ناقص قسم کا (اسلامی قانون کے برعکس) قانونی علیحدگی (judicial seperation)

کا قانون نافذ کیا گیا تو مرد کی جائداد سے مطلقہ کو گزارہ بھی دلوایا گیا۔

(ج) قرون وسطیٰ کی یورپی مسیحیت نے عورتوں کو جس قعر مذلت میں ڈال رکھا تھا اس کے جواب میں انقلاب فرانس کے بعد ہی سے مساوات مرد وزن کی تحریک چل پڑی یہاں تک کہ اس تحریک نے مرد وزن کے حیاتیاتی فرق (Anatomical & physiological differences) تک کو نظرانداز کر دیا۔ جس کا ذکر تفصیل کے ساتھ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ جلد بیستم صفحہ ۲۲۶ مطبوعہ یو۔ ایس۔ اے ۱۹۶۵ء میں مل جائے گا) اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تحریک مساوات (Equality of sexes) استحصال زن (Exploitation of women) پر منتج ہو گئی۔

(د) ویدک دھرم میں بھی رشتۂ نکاح ناقابل انقطاع تھا (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۸ صفحہ ۴۵۳ نیویارک ۱۹۶۷ء) اسی وجہ سے یہاں مرنے کے بعد عورتیں ستی ہو جایا کرتی تھیں۔ انیسویں صدی میں راجہ رام موہن رائے کی کوششوں سے اس رسم کی بیخ کنی کے لیے قانون بنایا گیا تو دوسرے مسائل پیدا ہونے لگے بیسویں صدی کے نصف تک پہنچتے پہنچتے ہندوستان میں مغربی تہذیب نے گھر کر لیا اور آزادی کے بعد ہر چیز مغربی عینک سے دیکھی جانے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں مغربی تہذیب اپنی تمام تر ہولناکیوں سمیت مستولی ہو گئی اور اس سے جو مسائل پیدا ہوئے ان کے ازالہ کے لیے وہی ترکیبیں اختیار کی جانے لگیں جو مغرب میں اختیار کی گئیں (تفصیل کا موقع نہیں ہے)

(ھ) مسلمان ایک غالب تہذیب کے امین ہونے کے باوجود انیسویں صدی کے اختتام تک روئے زمین پر ہر جگہ مغلوب ہو چکے تھے اس لیے ان کے اندر بھی افکار و اعمال کی بیماریوں نے جڑ پکڑ لی۔ لیکن مزید ستم ظریفی یہ ہوئی کہ آب حیات اپنے پاس موجود ہونے کے باوجود انھوں نے بھی مغربی فسطائیوں سے اپنا علاج کرانا شروع کر دیا جو اپنی غلط اور ناقص تشخیص و تجویز کی وجہ سے ایک عالم کو نہ صرف بیمار بلکہ قریب المرگ کر چکے تھے ہندوستان

علاوہ بہت سی روحانی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے، جن میں اکثریت مبتلا تھی لیکن چونکہ ان کے اندر ابھی اپنے مسلمان ہونے کا احساس باقی تھا۔ اس لیے اگرچہ ایک ایک کرکے وہ اپنے عناصر تشخص (Elements of identity) سے محروم ہوتے چلے جا رہے تھے لیکن ان میں اپنے مذہب اور شریعت کی طرف پلٹنے کی تڑپ باقی تھی۔ یہی سبب ہے کہ انھیں جب کبھی اللہ کے نام پر بلایا جاتا ہے ان کی زبان سے فوراً لبیک کی صدا آتی ہے۔

۱۰۔ مطلقہ کیا کرے؟ | مغربی معاشرہ بنام اسلامی معاشرہ کی یہ ہے وہ کشمکش جس کے درمیان یہ سوال پیش کیا گیا ہے کہ اگر مطلقہ کو تا نکاح ثانی نفقہ نہ دلوایا گیا تو وہ کیا کرے گی؟ یہ سوال لوگوں کے ذہنوں کو اس لیے پریشان کیے ہوئے ہے کہ معاشرہ کے عناصر کا مزاج ترکیبی ہی بدل گیا ہے۔ غیر اسلامی سوسائٹی میں اسلامی احکام فٹ کرنا گول خانے میں چوکور چیز کا فٹ کرنا ہے۔ یہ عدم توازن مغربی معاشرہ کی نقالی سے پیدا ہوا ہے جسے حالات ملک نے اور کچھ ہماری عدالتوں کی ہمدردانہ دلچسپی نے اس موڑ تک پہنچا دیا ہے۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ دوسرے معاشروں کے برخلاف اسلامی معاشرہ میں حقوق و واجبات ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ <u>دراصل مطلقہ کا مستقبل محفوظ اسلامی معاشرہ میں کبھی بھی دائمی فکر کا مستحق نہیں رہا</u>۔ اور غریب خاندانوں میں آج بھی یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اسے "مسئلہ" تو بنایا ہی ان خوش باش "عورتوں" نے ہے جو سپریم کورٹ تک جانے کا "شاہی خرچ" برداشت کر سکتی ہیں۔ یا پھر ان کے اوپر کسی "ایجنسی" کا "دست شفقت" ہے، جو انھیں یہاں تک پہنچا دیتا ہے۔ اور اس کا مقصد حب علی نہیں بلکہ بغض معاویہ کے مثل شریعت اسلامیہ کے ساتھ "بغض" کا اظہار ہے۔

اس تمہید کے بعد ان اسباب کی نشاندہی کی جاتی ہے جن کی وجہ سے "نفقہ مطلقہ"

اسلامی شریعت یا اسلامی معاشرہ میں کبھی کوئی مسئلہ نمودار ہو جاتا ہے تو اس کا حل اسی کی طرف رجوع کرنے میں ہے۔

(ل) دراصل اسلام میں تعدد ازدواج (خواہ مطلقہ کی ہو یا بیوگان کی) کوئی معیوب بات ہی نہیں۔ اور ہمدردی کے نقطۂ نظر سے خصوصیت کے ساتھ بشرط عدل شریعت نے چار تک شادیاں کرنے کی اجازت دے رکھی ہے جیسا کہ سورۂ نور کی آیت نمبر ۳۲ اور سورۂ نساء کی آیت نمبر ۳ میں گذر چکا۔ مطلقہ یا بیوگان کے مسئلہ سے قطع نظر اگر ہم مسلمانوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کی شرح پیدائش کے تناسب کا مطالعہ کریں تو یہ خوفناک حقیقت معاشرہ بھی افراط زن یا تکثیر اناث (Surplus women) کی شکل اختیار کرنے والا ہے۔ آخر اس مسئلہ کا حل بھی سوائے کثرت ازدواج کے اور کیا ہوگا۔؟

(ب) اسلام نے عورتوں کو جائداد اور مال رکھنے اور کمانے کی آزادی دے رکھی ہے۔ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (النساء۔ ۳۲) جو کچھ مردوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے لیکن ان کا نفقہ شوہروں پر فرض ہے۔ الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ (النساء۔ ۳۴) مرد عورتوں پر قوام ہیں اس بناء پر کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ اور اس بناء پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ اس طرح مسلم عورت مغربی عورت کے مقابلہ میں دوہرے فائدے میں ہے۔ پھر اسے مہر کی صورت میں شوہر سے رقم ملتی ہے۔ دوسرے مذاہب کی عورتوں کے برخلاف مسلم عورت کو بحیثیت بیٹی کے باپ اور ماں سے بحیثیت ماں، یا دادی یا نانی کے بیٹے، بیٹی یا پوتے، پوتی یا نواسے، نواسی (حسب حالات) بحیثیت بیوی کے شوہر سے اور بحیثیت کلالہ کے بھائی یا بہن سے، بحیثیت خالہ کے بھانجے سے اور بحیثیت پھوپھی کے بھتیجے سے بھی (ذوی الارحام ہونے کی وجہ سے) وراثت ملتی ہے۔ اس کے علاوہ وصیت کی صورت میں

انصاف کچھ نہ کچھ مل سکتا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ اسلامی نظام وراثت رائج کیا جائے
نہ کہ ایک غلطی کے لیے دوسری بہت سی غلطیوں کا ارتکاب کیا جائے۔ جہیز کی رسم بد
نے بھی لڑکیوں کو محروم الارث قرار دینے میں زبردست حصہ لیا ہے۔ اس کے لیے ضروری
ہے کہ اس رسم بد کی مکمل طور سے بیخ کنی کر دی جائے۔)

(ج) جن لوگوں سے عورتوں کو وراثت ملتی ہے۔ وہی اس کے قریب ترین عزیز ہیں، پھوپھی چچا۔ ماموں۔ بھتیجے اور بھانجے بھی اس کے نزدیک رشتہ دار ہیں۔ جن لوگوں کو اس کی ولایت حاصل ہوتی ہے وہ قریب ترین اعزہ شمار ہوتے ہیں۔ یہی سب ایک دوسرے کے حسب قاعدہ میراث وراثت بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے شرعی طور سے یہی اس کے زیادہ مکلف ہیں کہ عورت کی کفالت کریں۔ آخر شادی سے قبل بھی تو یہی اس کے کفیل تھے۔
کیا طلاق کے بعد پرانے رشتے ختم ہو جاتے ہیں۔؟

cession Number.
86058
Date

(د) کھانے پینے کے بارے میں ایک رہنما ہدایت

سورۂ نور کی آیت نمبر ۶۱ میں موجود ہے: لَیْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُیُوْتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِیْقِكُمْ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِیْعًا اَوْ اَشْتَاتًا کوئی حرج نہیں اگر کوئی اندھا یا لنگڑا یا مریض (کسی کے گھر کھالے) اور نہ تمہارے اوپر اس میں مضائقہ ہے کہ اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماں نانی کے گھروں سے، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان کے گھروں سے جن کی کنجیاں تمہاری سپردگی میں ہوں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔

اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم لوگ مل کر کھاؤ۔

(د) عَنْ سُرَاقَةَ ابْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى أَفْضَلِ الصَّدَقَةِ ابْنَتُكَ مَرْدُودَةً إِلَيْكَ لَيْسَ لَهَا كَاسِبٌ غَيْرُكَ (ابن ماجه)

سراقہ بن مالک کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں نہ بتاؤں تم کو بہترین صدقہ کیا ہے؟ اس بیٹی کی کفالت عظیم ترین صدقہ ہے جو تیرے پاس لوٹا دی گئی ہے اور تیرے سوا کوئی اس کے لئے کمانے والا نہیں ہے۔

یہ حدیث صاف طور سے باپ کو مطلقہ بیٹی کے نفقہ کا ذمہ دار قرار دے رہی ہے لیکن اگر باپ زندہ نہیں ہے یا کمانے کی ذمہ داری اس کے بیٹے کے اوپر آگئی ہے تو بھی حکم پیچھے کی طرف پلٹ آئے گا جیسا کہ ان تجمعوا بین الاختین (النساء۔ ۲۳) (دو بہنوں کا ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا حرام ہے) کے حکم میں خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کو بھی شامل کر لیا گیا ہے صدقہ کے لفظ سے کسی کو مغالطہ نہ ہو کہ یہ صرف اخلاقی فضیلت حاصل کرنے کے لئے تشویق (رغبت دلانا) ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اِذَا اَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلٰی اَهْلِهٖ يَحْتَسِبُهَا فَهُوَ لَهٗ صَدَقَةٌ (صحیحین) جب آدمی اپنی بیوی بچوں اور زیر کفالت لوگوں) پر (اجر آخرت کی نیت سے) خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے لئے صدقہ (یعنی اجر و انعام کا کام) بنتا ہے، اور سورۂ نساء کی آیت ۳۴ (جو اوپر نقل ہو چکی ہے) کی رو سے بیوی کی کفالت شوہر کے اوپر فرض ہے، یہاں تک کہ مرد کی قوامیت کے دو اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

اس طرح اگر کسی نو عمر لڑکی کی طلاق ہو چکی ہو یا شادی ہی نہ ہوئی ہو یا نہ ہو رہی ہو تو اس کا نفقہ اس کے باپ یا بھائی یا ولی کے اوپر فرض ہوتا ہے۔

(و) اگر مطلقہ ضعیفُ العمر ہے تو ظاہر کہ اس کے جوان بیٹے بھی ہوں گے ایسی صورت میں ان بیٹوں کے اوپر ماں کی کفالت فرض ہے کیونکہ علیحدگی کے بعد مرد سے مصاہرت کا تعلق

باقی نہیں رہتا بلکہ اولاد کے نسبی تعلق ناقابل انقطاع ہے اولاد کے اوپر والدین کا جو عظیم حق ہے اسے اللہ نے یوں بیان فرمایا ہے وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ۔ رَّبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۚ إِن تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا (بنی اسرائیل ۲۳ تا ۲۵) تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اس کی، والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انھیں اف تک نہ کہو، نہ انھیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی و رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ "پروردگار ان پر رحم فرما، جس طرح انھوں نے رحمت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے اگر تم صالح بن کر رہو تو وہ ایسے لوگوں کیلئے درگذر کرنے والا ہے جو اپنے قصور پر متنبہ ہو کر بندگی کے رویے کی طرف پلٹ آئیں۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ (الاحقاف ۱۵) ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرے، اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی اس کو جنا، اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری طاقت کو پہونچ گیا اور چالیس سال کا ہو گیا تو اس نے کہا

اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائیں اور ایسا نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو اور میری اولاد کو بھی نیک بنا کر مجھے سکھ دے۔ میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور تابع فرمان (مسلم) بندوں میں سے ہوں۔

غور فرمائیے کہ یہ ساری خدمات (خصوصاً ضعیفی میں خدمت وغیرہ) کیا انھیں خالی پیٹ رکھ کر کی جائیں گی، یہ بھی غور فرمائیے کہ آیت نمبر ۲ میں صاف صاف ماں کا حق زیادہ بتایا جا رہا ہے۔ حدیث میں ہے کہ " والدین تمہاری جنت اور جہنم ہیں (ابن ماجہ) جنت ماں کے قدموں تلے ہے (مسند احمد) والدین کے حقوق کی احادیث بے شمار ہیں جن کا احاطہ کرنا یہاں ممکن نہیں ہے۔

(۱۰) اسلامی نظام حکومت میں کسی بھی معذور کی آخری ذمہ داری حکومت کی ہوتی ہے ہندوستان میں جہاں یہ نظام اس وقت نہ قائم ہے نہ مستقبل قریب میں بظاہر اس کے قائم ہونے کی امید ہے تمام مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ کم از کم زکوٰۃ اور بیت المال کا اجتماعی شرعی نظام قائم کریں، معذوروں کی کفالت کے علاوہ یہ بیت المال مسلمانوں کی اور بہت سی اجتماعی ضروریات کا کفیل ہو سکتا ہے۔

۱۱۔ **شاہ بانو** شاہ بانو کا کیس بالکل صاف ہے ان کے نفقہ کی ذمہ داری کلی طور پر ان کے جوان اور خود کفیل بیٹے کے اوپر ہے۔ اور انھیں کے ساتھ وہ رہ بھی رہی ہیں انھوں نے مسلم ستیہ شودھک منڈل کے جلسہ خیر مقدم میں صاف فرمایا ہے کہ یہ کیس وہ صرف اس لیے لڑی ہیں کہ عورتوں کے حقوق کا تحفظ ہو (یعنی مسلم پرسنل لا ختم ہو) ورنہ انھیں نفقہ کے سلسلہ میں کوئی پریشانی نہیں تھی اور ان کے برخوردار سعادت اطوار نے اس پر صاد کیا ہے (ملاحظہ ہو رپورٹ مسلم ستیہ شودھک منڈل پونا انڈین ایکسپریس بمبئی ۲۰ جولائی ۱۹۸۵ء) پس اب کیا فرماتے ہیں اس بیچاری ضعیفہ مطلقہ کے بارے میں

طرف یہ سب یا وہ معیار چھوڑ دیا گیا ہے وہ لوگ جو اندھا دھند ہمدردی میں دین و شریعت کی ساری حدیں عبور کر گئے تھے۔

۱۲ — محترم جج صاحبان متوجہ ہوں :۔ مغالطات کا پردہ چاک کرنے اور شکوک و شبہات کی دیوار ڈھا دینے کے بعد اب وقت آگیا ہے کہ نفس فیصلہ کے بارے میں عدالت کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے معزز جج صاحبان سے براہ راست خطاب کیا جائے۔

(د) معزز جج صاحبان کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ انھوں نے پہلے ہی سے یہ یقین فرمالیا ہے کہ اسلام نے عورتوں کا درجہ گھٹا دیا ہے پھر اس سے یہ تاثر قبول کیا ہے کہ اسلامی قانون میں عورتوں کو انصاف نہیں مل سکتا، مزید یہ کہ اصلاحِ حال اور عورتوں کو فائدہ پہونچانے کے خیال سے اگر اسلامی قانون کی کوئی "فائدہ بخش" تعبیر ہو سکتی ہو تو یہ اسلام اور موجودہ حالات کے درمیان مفاہمت ہوگی۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے رد و قبول کا ایک "ذاتی" معیار پیدا کر کے پورے کیس کو قابلِ اعتراض مواد سے پر کر دیا ہے بقول شاعر ؎

خشتِ اول چوں نہد معمار کج   تا ثریا می رود دیوار کج

(ا) اس سلسلہ میں معزز جج صاحبان نے "منو" کا ایک مقولہ نقل کرنے کے بعد ایڈورڈ ولیم لین کی یہ رائے نقل کی ہے کہ اسلام کا مہلک ترین پوائنٹ عورت کے درجہ کو گھٹا دینا ہے (پیراگراف اوّل) ہم نے ابتک قرآن و حدیث اور تاریخ کے حوالوں سے جس قدر گفتگو کی ہے وہی یہ ثابت کرنے کے لئے بالکل کافی ہے کہ عورت (یعنی صنف نازک) کو مردوں کے استحصال سے بچانے اور معاشرہ کو اس کی "نسوانی صلاحیتوں" سے مستفید کرنے کے لئے اسلام نے جو قوانین دیئے ہیں نہ اب تک کے ارتقائی قانون کی تاریخ میں اس کی مثال ملتی ہے نہ ہی ابھی تک اس سے بہتر قانون کا تصور کیا جا سکتا ہے مردوں اور عورتوں کے درمیان جیا تیاتی فرق جس کی تفصیل کی طرف پیراگراف ۹ (ج) میں

اختیار کیا جا چکا ہے، کو ذہن میں رکھتے ہوئے بتلایئے کہ کیا مغربی قانون اور معاشرہ نے عورت کو واقعی انصاف دیا ہے جس کے لیے ہم قدم قدم پر اسی نقالی کرتے ہیں جو پہلے قانون کا ابتدائی یاد دورِ وحشت ([illegible]miTme age) کے قوانین معاشرت سے مقابلہ کرکے اسلام کی VALUE گھٹانا نہیں چاہیے۔ ہمارا تو چیلنج ہے کہ مغربی دنیا ایڈوورڈ لین اور ہمارے معزز جج صاحبان ایک سیمینار کے اسٹیج سے موجودہ اور مستقبل میں متوقع قوانین معاشرت کی اسلامی قوانین پر برتری ثابت کریں، ابھی تو یہ مصلحین مقننین اور آئین سازان بہت سے نکات تک پہونچ بھی نہیں پائے ہیں جن کے بارے میں اسلام رہنمائی کرتا ہے، ہماری درخواست ہے کہ اور چیزوں کے ساتھ ہمارے محترم جج صاحبان کم از کم اسلام کے نظامِ وراثت ہی کا مطالعہ فرمائیں، تو انہیں حیرت ہوگی، قانونِ وراثت میں اسلام نے قوانین کی کن ژرف نگاہیوں کو ملحوظ رکھا ہے ہماری رائے میں کسی اسلامی مسئلہ میں اسلامی نقطۂ نظر سے فیصلہ کرتے ہوئے ایک متعصب عیسائی جس کی اسلام دشمنی سے تمام پڑھا لکھا طبقہ واقف ہے کی تحریر پیش کرنے سے قبل محترم جج صاحبان کو یہ ضرور سوچنا چاہیے تھا کہ اس سے قانون اور انصاف کس حد تک مجروح ہو سکا ہے۔

(۲) محترم جج صاحبان نے دوسری زبردست ٹھوکر اسی پیراگراف اول میں کھائی ہے جب وہ غلط طور سے توقع کرتے ہیں کہ شاید پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ بات مفروضاتی ہوگی کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو وہ ٹوٹ جائے گی، اس لیے اپنی عورتوں سے نرمی کا سلوک کیا کرو، شاید محترم جج صاحبان عورت کی نفسیاتی کیفیات سے واقف نہیں ہیں جو ہر ماہ اپنے مخصوص ایام میں نیز ایامِ حمل اور ایامِ رضاعت میں کس قدر ذہنی انتشار کا شکار ہو جایا کرتی ہے مردوں کو یہ بات اسلئے کہی گئی ہے کہ وہ ان حالات میں اس کی ذہنی کیفیت کا لحاظ کرتے ہوئے اسے کوئی سزا نہ

منع ہیں، چنانچہ اسی وجہ سے ان اوقات میں طلاق دینا بھی منع ہے (الطلاق-۱)

ہم محترم جج صاحبان سے یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور مختلف الفاظ کے ساتھ بخاری جلد (کتاب النکاح) مسلم (کتاب الرضاع) دارمی (کتاب النکاح) اور مسند کی جلد پانچ میں صفحہ آٹھ پر موجود ہے، ہم حیران ہیں کہ آدمی جب کسی چیز کی مخالفت پر اتر آتا ہے تو اس سے کیسے معکوس استدلال سرزد ہونے لگتے ہیں،

(ب) محترم جج صاحبان نے مہر کی اصطلاحی حیثیت "(Women's Dower) پر پیراگراف نمبر ۲۳ میں کافی تحقیقی گفتگو فرمائی ہے یہ بحث قانون کی کتابوں اور تاریخ عمرانیات کی کتب (History of [illegible]) میں بھی مل جاتی ہے لیکن ہم حیران ہیں کہ یہ "نفقہ مطلقہ" جو ماہ بماہ واجب الادا ہے قانون معاہدات (Law of Contract) کی کس اصطلاح کے تحت آتا ہے بالفاظ دیگر "مہر" وہ رقم ہے جو بطور (Respect) بیوی کو دی جاتی ہے "نفقہ مطلقہ بعد عدت" کیا چیز ہے جو مطلقہ کو دینے کا حکم دیا گیا ہے اسے بھی کوئی نام عطا فرما دیا جائے۔

(ج) جب ایسا فرض کرلیا گیا ہے کہ زفاف ہوتے ہی عورت اپنے تمام پرانے صلبی رشتے منقطع کرلیتی ہے (بلکہ اس کی یاددہانی کرانے پر محترم جج صاحبان نے پیراگراف ۲۷ میں مسلم پرسنل لابورڈ کو ڈانٹا ہے۔ گویا کہ تعلقات نسب کا ایک لامحدود خلا ہے جس میں عورت "مصاہرت" کی صرف ایک نازک ڈور سے لٹکی ہوئی ہے کیا صحیح تھا اگر شادی سے قبل کا بھی والدین کا خرچہ اس سابق شوہر سے دلوا دیا جاتا اور نہ بصورت دیگر ہم یہ دریافت کرنے میں حق بجانب ہونگے کہ یہ خلا کب سے پیدا ہوا؟

(د) اگر طلاق دینے کے فوراً بعد یا دوران تنقیح مقدمہ اگر شوہر کی موت ہوگئی ہوتی تو محترم جج صاحبان کیا فیصلہ دیتے؟ یہی صورت حال اسوقت پیدا ہوسکتی ہے اگر یہی (مطلقہ) اسے پہلے شوہر (سابق) کا انتقال ہوجائے پھر محترم جج صاحبان اس کیلئے

کونسی صورت تجویز فرمائیں گے؟
کیا ایسی عورت کو خرچہ دلوایا جائے گا؟ گویا کہ اسلامی قانون وراثت [illegible] ہوگی؟

(۵) محترم جج صاحبان نے ضابطہ فوجداری کی ۱۲۵ پر قانونی طور سے بہت تفصیل میں گفتگو فرمائی ہے لیکن یہ بات فاضل جج صاحبان کے علاوہ کسی عام قانون کے طالب علم کی سمجھ میں نہیں آئی پیراگراف ۲۸ میں انھوں نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ خاص دفعہ ۱۲۷ (۳) ب کی شمولیت (   ) اسلئے عمل میں آئی کہ طلاق کے وقت مہر کا ادا کرنا بھی ضروری تھا یعنی (دفعہ ۱۲۷ (۳) ب کسی پرسنل لا، کے تحت جن واجبات کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد مہر ہے، یہ بات نہ صرف واقعہ کے خلاف ہے کیونکہ مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے بیان تحریری میں دفعہ ۱۲۷ (۳) ب کی شمولیت کی پوری تاریخ اور اس میں اپنے رول کا ذکر کیا ہے بلکہ اس ذیلی دفعہ کے الفاظ کے بھی خلاف ہے، محترم جج صاحبان نے مسٹر رام لال مردھا کی تقریر کا اقتباس (راجیہ سبھا ۱۸ دسمبر ۱۹۷۳ء) پیراگراف ۲۷ میں نقل فرمایا ہے اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ حکومت اور وزراء تمام کے تمام یکساں شہری قانون بنانے کی خواہش رکھتے ہیں لیکن مسٹر مردھا نے صاف کہا ہے کہ دفعہ ۱۲۵ کی موجودگی میں (دفعہ ۱۲۷ (۳) ب سے ایک استثنیٰ پیدا کرنا دراصل قدیم اور جدید کے درمیان ایک مفاہمت ہے اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ حکومت چونکہ یکساں سول کوڈ بنانا ہی چاہتی ہے، اس لئے دفعہ ۱۲۷ (۳) ب سے مراد مہر لے لیا جائے بالکل غلط ہے یہ مفاہمت قدیم اور جدید کے درمیان نہ ہوگی بلکہ قانون اور محترم جج صاحبان کے درمیان ہوگی کیونکہ "مہر" ہر حال میں واجب الادا ہے اور عدم ادائیگی کی صورت میں عورت اس کے لئے دفعہ ۱۲۷ (۳) ب کی موجودگی کے بغیر بھی استغاثہ دائر کر سکتی ہے۔

(۶) یہ بات کہ دفعہ ۱۲۷ (۳) ب مسلم پرسنل لا کے تحت مسلمانوں کے لئے ایک

مسئلہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس سے قبل مدت نفقہ کے جتنے کیسز فیصل ہوئے
ان سب سے مسلم پرسنل لا میں مداخلت ہوتی ہے خود اسی کیس کی کارروائی سے ظاہر ہوتا
ہے جس کا ذکر پیراگراف ۳ میں کیا گیا ہے۔ مسٹر جسٹس مرتضیٰ فضل علی اور مسٹر جسٹس وردا
راجن نے اس کیس کو ایک بڑی دستوری بنچ کے حوالے کیے جانے کے دو اسباب بتائے ہیں

(۱) ۲ ایس سی آر ۷۵/۱۹۷۹ اور ۳ ایس سی آر ۱۱۲۷/۱۹۸۰ کیسز کا فیصلہ
دو اسباب سے نظر ثانی کا متقاضی ہے ایک تو یہ کہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۲۷ (۳) ب
کے مبہم الفاظ میں ان شوہر حضرات سے دفعہ ۱۲۵ کے الفاظ کو ساقط کر دیتی ہیں جنہوں نے اپنی
مطلقہ کو مہر اور مدت کا خرچ ادا کر دیا ہو۔

(۲) یہ فیصلے طلاق کے بنیادی تصور کے بھی خلاف ہیں اور ان سے مسلم پرسنل لا (شریعت)
اپلیکیشن ایکٹ کے سکشن ۲ کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

یہ امر واقعتاً محلِ تعجب ہے کہ مذکورہ دونوں ججوں کو جن کی رائے یقیناً اس کیس کے موجودہ
فیصلے کے برخلاف ہوتی اس بنچ ہی میں شامل نہیں کیا گیا کیا واقعی ہمارے ان پانچوں ججوں
کا جو اس بنچ میں شریک تھے یہ گمان ہے کہ سپریم کورٹ کے باقی تمام ججوں کی بھی اس کیس
میں یہی رائے ہوتی؟ اگر ایسا نہیں ہے جیسا کہ مذکورہ دونوں ججوں کے اختلاف رائے سے
ظاہر ہے تو کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اس کیس کو قانون سے زیادہ "خواہش" کی بنیاد پر فیصل
کیا گیا ہے۔

یہ ہیں وہ سوالات جو شاہ بانو کیس کا فیصلہ پڑھ کر ذہن میں گذرتے ہیں اور ہم متمنی
ہیں کہ قانون داں صاحبان ان کے جوابات ضرور ارشاد فرمائیں۔

۱۴ - شریعت کہاں ہے؟ | اب ہم مسلم عوام کی خدمت میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں وہ یہ
ہے کہ آج ہم تحفظ شریعت کا نعرہ لگا رہے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ شریعت ہے کہاں؟
شریعت کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: شرع لکم من الدین ما وصّی

به نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا به ابراهیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا
الدین ولا تتفرقوا فیه - کبر علی المشرکین ما تدعوهم الیه - الله یجتبی
الیه من یشاء ویهدی الیه من ینیب (الشوریٰ - ۱۳) اللہ نے تمہارے
لئے دین کا وہی طریقہ (شریعت) مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جسے (اے محمد)
ہم نے تمہاری طرف وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم اور موسیٰ اور
عیسیٰ کو دے چکے ہیں، اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ
یہی بات ان مشرکوں کو سخت ناگوار گزری ہے جس کی طرف (اے نبی) تم انہیں دعوت
دے رہے ہو، اللہ جسے چاہتا ہے اپنا کر لیتا ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا
ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔ اس آیت میں لفظ "شرع" استعمال ہوا ہے اس کا مطلب
یہ ہوا کہ "اقامتِ دین" ہی شریعت ہے اور تمام انبیاء کو یہی ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ دین
کو قائم کریں۔ دین بھی کامل ہو چکا ہے جیسا کہ ارشاد ہے الیوم اکملت لکم دینکم
واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (المائدہ - ۳) آج
میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے
اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔

معلوم ہوا کہ پوری امت مسلمہ اس کی مکلف ہے کہ پورا دین قائم کرے اور یہی شریعت
ہے، شریعت ایکٹ کے نام سے جب تک ہم ایک نہایت محدود اور مختصر اسلامی زندگی
پر قانع رہنے کی کوشش کریں گے تو قدم قدم پر طاغوتی قوتوں سے ٹکراؤ ہوگا اس لئے
ضرورت اس کی ہے کہ پورے دین کو قائم کرنے کی جد وجہد کی جائے۔

۱۴- علماء کرام کی خدمت میں | آج ہم اخلاق اور عمل کے جس مرحلے تک پہنچ چکے
ہیں اس کی ذمہ داری سے علماء بری نہیں ہو سکتے جو صرف علوم انبیاء کے وارث ہیں۔
بنی اسرائیل کے عالموں سے مشابہ ہو گیا ہے ... تفرقہ در دلوں میں ہوا اور

شریعت کو دین سے الگ نہ کر دیا ہوتا تو اس حال کو نہ پہنچتے ہم جاہلیت سے معاملت
کی خاطر شرائع اسلام کے ہر گوشے سے ہوتے ہوئے ستون کو ناواقفی سے دیکھتے ہیں اور اس پر نظر
ہوتے ہوئے ہمارے سامنے سورہ مائدہ کا ساتواں رکوع پورا کا پورا موجود رہا لیکن ہم
اپنے نفس کو مطمئن کرتے کہ یہ آیت بنی اسرائیل کے بارے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ
فرمایا أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ (المائدہ ۵-۵۰) تو پھر کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ
چاہتے ہیں لیکن ہم نے اس کا کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا من لم يحكم
بما أنزل الله فأولئك هم الكافرون - الظالمون - الفاسقون
(المائدہ ۵ - ۴۴ - ۴۵ - ۴۷) جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق
فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں - ظالم ہیں - فاسق ہیں۔ ہم نے یہاں فیصلہ کا مفہوم سمجھنے
اور سمجھانے میں "مصلحتِ وقت" سے کام لیا۔ ہندوستان میں قوانینِ اسلامی کا تیا پانچہ
ہوتا رہا اور ہم "تک تک دیدم دم نہ کشیدم" کے مصداق وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ
وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات ۵۶) کی ہی تفسیر کرتے رہے کہ انسان
کی تخلیق کا مقصد (اطاعت نہیں) صرف عبادت ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سید احمد شہیدؒ
سے لیکر علمائے صادق پور تک کی ساری قربانیاں ہمارے لئے "اخلاف" کی ایک شاندار
تاریخ بن کر رہ گئیں۔ اور ہم یہی تاریخ اپنی الماریوں میں سجا کر آج "اسلاف پرستی" کی علامت کا
تاج کر رہے ہیں۔ اگر ہم نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مشن کو زندہ رکھا ہوتا [illegible] کے
صدی میں جو تغیرات ہوئے ان پر قانع نہ ہو گئے ہوتے تو شاید آج اس کی نوبت نہ آتی
کہ ہم اسلامی شریعت کی اس آخری کڑی (پرسنل لا) کو دانتوں سے پکڑے رہیں تو وہ ہوا میں
ت فی الدین کی دعوت دیتے
تک پہنچا دیتے جاتے۔ آج بھی جبکہ یہ بات سب کو تسلیم
بھی داخل ہے ہم لوگوں کو خبردار کیا کرتے ہیں کہ دین کی بنیں ایسے قانون دانوں کی خدمات
اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو صاف علم اور اچھا ضمیر عطا کرے جو رکھتے ہوں تاکہ وہ ہوا کے رخ کو دیکھتے رہیں

۱۵- پرسنل لا بورڈ کے کرنے کا کام

[illegible] شبہ نہیں کہ معاشرہ کا جو خلاف ہے اور جو ۔ ۔ ۔ وجہ سے حکومت یا عدلیہ کو مسلم پرسنل لا میں دخل اندازی کا موقع ملتا ہے اس کا سب سے بڑا سبب مسلم معاشرہ میں پھیلا ہوا جہالت ہے اس لئے مسلم پرسنل لا بورڈ کا کام صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ اس سلسلہ میں مسلمانوں کے قصّہ داری سے حکومت کو باخبر رکھے ، (یہ کام حکومت کی سی آئی ڈی بہت اچھی طرح کرتا ہے) یا اس سے کچھ مطالبات کرتا رہے بلکہ اسے چند اور اقدامات بھی کرنے چاہئیں۔

(۱) لوگوں کو نکاح و طلاق نفقہ ، سکنیٰ اور تحکیم وغیرہ کے مسائل سے روشناس کرایا جائے۔ تحکیم اگرچہ طلاق واقع ہونے کے لئے شرط نہیں ہے لیکن کسے اختلافات کا یہ وہ علاج ہے جو اللہ نے جو تجویز کیا ہے۔ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا (النساء۔ ۳۵) اور اگر کہیں تم لوگوں کو میاں بیوی کے تعلقات بگڑنے کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کر دو۔ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کی صورت نکال دے گا، ہم نے اللہ کا بتایا ہوا یہ نسخہ شفا اپنے معمولات سے خارج کر دیا ہے۔ اس کی وجہ سے تفریق بین الزوجین کا تناسب بڑھ گیا ہے جب ۔۔۔ ، قوانین کے مسائل سے کما حقہٗ واقفیت ہو جائیگی، تو انشاءاللہ معاشرہ ہے، شریعت ۔۔۔ ہو جائیں گے ،

پر قانع رہنے کی کو ۔۔۔ اور اختلافی مسائل میں مختلف الفکر علماء کے درمیان مذاکرات

ضرورت اس کی ہے کہ پر ۔۔۔ (نی) کی راہ اختیار کی جائے۔ تین طلاقوں کے بارے میں

۱۶- علماء کرام کی خدمت

۔۔۔ سے اختلاف مشہور ہے۔ چند سال پہلے مفتی ہیں اس کی ذمہ داری سے علماء بری۔ ۔۔۔ بنی اسرائیل کے نبیوں سے مشابہ ۔۔۔ ۔۔۔ بر احمد آباد میں ایک سیمینار منعقد ہوا تھا۔

جس کی وجہ سے علماء کے درمیان اختلافِ فکر کم ہوا تھا۔

طلاقِ مکرَہ (جبری طلاق) کے بارے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ بہت معروف ہے۔ اسی طرح طلاقِ غضبان اور طلاقِ سکران (غصہ یا نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق) امام تیمیہ علیہ الرحمہ جیسے اہل علماء کے نزدیک واقع نہیں ہوتی۔ "متشددین فی الفقہ" سے درخواست ہے کہ وہ کم از کم مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی فکر اور جرأت پیدا کریں، جنھوں نے زوجِ مفقود الخبر کی مدت انتظار کے بارے میں عورتوں کو ارتداد سے بچانے کے لئے فقہ حنفی کو چھوڑ کر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر فتویٰ صادر فرمایا تھا، (ملاحظہ ہو ان کی کتاب الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ) اسی پر مجنون اور عنّین (نامرد) کو قیاس کیا جا سکتا ہے، اجتہاد پر ایک ثواب اور صحیح اجتہاد پر دہرے ثواب کا اجر ہمیں یہ نصیحت دیتا ہے کہ اختلافی مسائل میں سہل ترین راہ عموماً (اور فتنہ کے احتمال کی صورت میں خصوصاً) اختیار کی جانی چاہئے اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے "یُرِیدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیدُ بِکُمُ الْعُسْرَ" (البقرہ - ۱۸۵) اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا پس اگر اختلافی مسائل میں تیسیر کی راہ اختیار کی جائے تو یہ منشائے قرآنی کے عین مطابق ہوگا،

(ج) جگہ جگہ شرعی پنچائتیں قائم کرے جہاں ہر مرد و عورت کی جائز شکایات کا تدارک ہو، کیونکہ عدالتیں انھیں مقدمات کو فیصل کیا کرتی ہیں جو دادرسی کے لئے ان کے یہاں داخل کی جاتی ہیں اگر مسلمان ان عدالتوں میں جانا چھوڑ دیں تو وہ ہوا میں فیصلے صادر نہیں کر سکتیں۔ یہ تو دراصل ہم ہیں جو انھیں مداخلت فی الدین کی دعوت دیتے ہیں۔

(د) ایک مرکزی قانونی بورڈ تشکیل دے جس میں ایسے قانون دانوں کی خدمات حاصل کی جائیں جو دین کا بھی علم، فہم اور شعور رکھتے ہوں تاکہ وہ ہوا کے رخ کو دیکھتے رہیں